# جشن میلاد النبی ﷺ کا قرآن حکیم سے استدلال

قدرت نے مختلف اَشیاء کو ایک دوسرے کے مقابل اِنفرادی طور پر شرف و فضیلت سے بہرہ ور کیا ہے۔ مختلف جہات و حیثیات سے بعض علاقے دوسرے علاقوں پر اور بعض دن دوسرے دنوں پر جدا جدا امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔ انبیاء و رُسل میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور امتیاز بخشتا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ.

’’یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔‘‘

البقرة، 2 : 253

اللہ رب العزت نے بعض ایام کو دیگر ایام پر، بعض مہینوں کو دوسرے مہینوں پر اور بعض ساعتوں کو بھی دوسری ساعتوں پر شرف واِمتیاز عطا کیا ہے۔

ماہ رمضان المبارک کی وجہ فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ.

’’رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔‘‘

البقرة، 2 : 185

اسی ماہِ مبارک کی ایک رات (لیلۃالقدر) کو شبِ نزولِ قرآن ہونے کی بناء پر دیگر راتوں پر فوقیت عطا فرمائی۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ o

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا ہے'' o

القدر، 97 : 1

اِسی طرح دوسرے مقدس مقامات کے باوجود صرف شہر مکہ کی قسم کھاتے ہوئے اُسے دوسرے شہروں پر فضیلت دی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا بیشتر حصہ اس شہر میں گزرا۔ ارشاد فرمایا:

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ o وَأَنتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ o

''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں o اے حبیبِ مکرم! ) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں'' o

البلد، 90 : 1، 2

اِسی طرح ایمان اور اسلام کے بعد انسانی معاشرے میں عزت و تکریم اور ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ.

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔“

الحجرات، 49 : 13

الغرض قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات اور اشیاء کے تقدس کا اظہار اور ان کی فضیلت کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ جس طرح لیلۃ القدر ہزار راتوں سے افضل ہے اور رمضان المبارک دیگر مہینوں پر فضیلت رکھتا ہے، اُسی طرح ماہِ ربیع الاول کے امتیاز اور شانِ علو کی وجہ صاحبِ قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ وہ ماہ سعید ہے جس میں رب کریم نے مومنین پر احسان فرمایا اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیجا۔ لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے طفیل ربیع الاول سال کے دیگر مہینوں کے مقابلے میں نمایاں فضیلت و امتیاز کا حامل بن گیا ہے۔ اسے اگر ماہِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موسوم کیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔

1۔ جشنِ نزولِ قرآن سے اِستدلال

قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا پاکیزہ کلام اور اس کی صفت ہونے کے اعتبار سے شانِ یکتائی رکھتا ہے۔ اس کا نزول انسانیت کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے ذریعے انسانیت کو ایسا نور عطا ہوا جس سے جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور اِنسان شرف و تکریم

کے اُجالوں میں اپنے اصل مقام کا نظارہ کرنے لگا۔ قرآن ہمیں برگزیدہ اور مکرّم ہستی کے ذریعے عطا ہوا۔ اللہ کی اس کتاب نور کو ایک نور لے کر آیا۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ O

”بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)“O

المائدہ، 5 : 15

جب قرآنی علم کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ نے لامتناہی عظمتیں عطا کی ہیں تو اس ہستی کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا جس پر اس کتابِ زندہ کا نزول ہوا اور جس کی تجلیات و تعلیمات سے عالمِ انسانیت کو یہ عظیم ذخیرۂ علم و حکمت اور مصدرِ ہدایت عطا کیا گیا، جس کا قلبِ اطہر وحیء الٰہی کا مہبط بنا اور حسنِ صورت و سیرت قرآنِ ناطق قرار پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوِ مقام کا ادراک کون کر سکتا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنِ مجید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ کامل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائل

کے ذکرِ جمیل کا ہی مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں جھانک کر انسان اپنے بگڑے ہوئے خدوخال کو سنوار سکتا ہے۔ بقول اِقبال رحمۃاللہ علیہ :

زِ قرآں پیش خود آئینہ آویز

دگرگوں گشتۂ از خویش بگریز

اِقبال، کلیات (فارسی)، اَرمغانِ حجاز : 816

)اے بندۂ خدا! قرآن کے آئینے میں اپنے کردار کو دیکھ، تیری حالت بگڑ چکی ہے۔ خود کو اپنی اس دگرگوں حالت سے نکال اور اس کردار کی طرف لوٹ جا جس کا نقشہ تجھے آئینۂ قرآن میں نظر آرہا ہے۔(

لہٰذا قرآنِ حکیم جیسی عظیم نعمت پر ہدیۂ تشکر بجالانا قرآن پر ایمان اور اس سے محبت کے اہم ترین تقاضوں میں سے ہے۔ لیکن نعمتِ قرآن پر شکر بجالانا اس وقت تک ممکن ہے نہ وہ اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کر سکتا ہے جب تک اُس ذاتِ اَقدس کی ولادتِ باسعادت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے جن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ

نے اِنسانیت کو قرآن جیسی نعمت سے فیض یاب فرمایا۔ اِس لیے جب ہم نزولِ قرآن کی رات جشنِ نزولِ قرآن کے طور پر بڑے اہتمام سے مناتے اور اس میں قرآن حکیم کے فضائل و تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں؛ تو جس ہستی کی بہ دولت یہ عظیم نعمت ہمیں میسر آئی اُس کی ولادت باسعادت کی رات بہ درجۂ اولیٰ زیادہ اِہتمام کے ساتھ منائی جائے گی۔

شبِ میلاد اور شبِ قدر کا تقابل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ، خلقِ عظیم اور اَوصافِ جمیلہ کا ذکر کرنے والی کتاب قرآنِ مجید کے نزول کے سبب ماہِ رمضان المبارک کی صرف ایک رات کو ہزار مہینوں سے بھی افضل قرار دیا گیا۔ جس مبارک رات میں کلامِ الٰہی لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتارا گیا اللہ تعالیٰ نے اس رات کو قیامت تک کے انسانوں کے لیے "لیلۃ القدر" کی صورت میں بلندئ درجات کا وسیلہ اور تمام راتوں کی پیشانی کا جھومر بنا دیا۔ تو جس رات صاحبِ قرآن یعنی مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا اور بزمِ عالم کے اس تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین و مکان کو ابدی رحمتوں اور لازوال سعادتوں سے منوّر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس رات کی قدر و منزلت کیا ہوگی! اس کا اندازہ انسانی شعور کے لیے ناممکن ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ نزولِ قرآن اور نزولِ ملائکہ کی رات ہے جب کہ نزولِ قرآن سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اَطہر پر ہوا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے

تو قرآن نازل ہوتا نہ شبِ قدر ہوتی اور نہ یہ کائنات تخلیق کی جاتی۔ دَر حقیقت یہ ساری فضیلتیں میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ ہیں۔ پس اگر کہا جائے کہ شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ قدر سے بھی افضل ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ باری تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دے کر اس کی فضیلت کی حد مقرر فرمادی جب کہ شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت حدِ اِدراک سے ماوراء ہے۔ یہ اَمر بھی ذہن نشین رہے کہ اگرچہ شبِ میلاد کی فضیلت زیادہ ہے تاہم شبِ قدر میں کثرت کے ساتھ عبادات بجالانی چاہییں کیوں کہ اِس رات بجا لائی جانے والی عبادات پر زیادہ اَجر و ثواب کی نوید ہے اور یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ائمہ و محدثین نے راتوں کی فضیلت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مثلاً شب نصف شعبان، شبِ قدر، شبِ یوم الفطر، شبِ یوم العرفہ وغیرہ۔ ان میں شبِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہت سے اَئمہ و محدثین اور اہلِ علم و محبت نے شبِ میلاد کو شبِ قدر سے افضل قرار دیا ہے۔

امام قسطلانی (851۔923ھ)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (958۔1052ھ)، امام زرقانی (1055۔1122ھ) اور امام نبہانی (م1350ھ) نے بڑی صراحت کے

ساتھ بیان کیا ہے کہ سب راتیں فضیلت والی ہیں مگر شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ہے۔

1۔امام قسطلانی (851۔923ھ) اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

إذا قلنا بأنہ علیہ الصلاۃ والسلام ولد لیلًا، فأیما إفضل: لیلۃ القدر إو لیلۃ مولدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ إجیب: بأن لیلۃ مولدہ علیہ الصلاۃ والسلام إفضل من لیلۃ القدر من وجوہ ثلاثۃ:

إحدہا: إن لیلۃ المولد لیلۃ ظہورہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ولیلۃ القدر معطاۃ لہ، وما شرف بظہور ذات المشرف من إجلہ إشرف مما شرف بسبب ما إعطیہ، ولا نزاع فی ذلک، فکانت لیلۃ المولد. بہذا الاعتبار. إفضل.

الثانی: إن لیلۃ القدر شرفت بنزول الملائکۃ فیہا، ولیلۃ المولد شرفت بظہورہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیہا. وممن شرفت بہ لیلۃ المولد إفضل ممن شرفت بہ لیلۃ القدر، علی الأصح المرتضی (إی عند جمہور إہل السنۃ) فتکون لیلۃ المولد إفضل.

الثالث: لیلۃ القدر وقع التفضل فیھا علی اِمۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ولیلۃ المولد الشریف وقع التفضل فیھا علی سائر الموجودات، فھو الذی بعثہ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین، فعمّت بہ النعمۃ علی جمیع الخلائق، فکانت لیلۃ المولد اِعم نفعاً، فکانت اِفضل من لیلۃ القدر بھذا الاعتبار.

1. قسطلانی، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، 1 : 145

2. عبدالحق، ماثَبَت مِن السُّنّۃ فی اِیّام السَّنَۃ: 59،60

3. زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، 1 : 255،256

4. نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 3 : 424

’’جب ہم یہ کہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت پیدا ہوئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کی رات تین وجوہ کی بناء پر شبِ قدر سے افضل ہے:

(1) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور شبِ میلاد میں ہوا جب کہ لیلۃ القدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی، لہٰذا وہ رات جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا

شرف ملا اُس رات سے زیاد شرف والی ہوگی جسے اِس رات میں تشریف لانے والی ہستی کے سبب سے شرف ملا، اور اِس میں کوئی نزاع نہیں۔ لہٰذا اِس اِعتبار سے شبِ میلاد شبِ قدر سے افضل ہوئی۔

(2) اگر لیلۃ القدر کی عظمت اِس بناء پر ہے کہ اِس میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے تو شبِ ولادت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ جمہور اہلِ سنت کے قول کے مطابق شبِ میلاد کو جس ہستی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شرف بخشا وہ شبِ قدر کو شرف بخشنے والی ہستیوں (یعنی فرشتوں) سے کہیں زیادہ بلند و برتر اور عظمت والی ہے۔ لہٰذا شبِ ولادت ہی افضل ہے۔

(3) شبِ قدر کے باعث اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت بخشی گئی اور شبِ میلاد کے ذریعے جمیع موجودات کو فضیلت سے نوازا گیا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا، اور اِس طرح نعمتِ رحمت جمیع کائنات کے لیے عام کر دی گئی۔ لہٰذا شبِ ولادت نفع رسانی میں کہیں زیادہ ہے، اور اِس اعتبار سے بھی یہ لیلۃ القدر سے افضل ٹھہری۔"

2۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (239۔321ھ) بعض شوافع سے نقل کرتے ہیں:

إن أفضل الليالی ليلة مولده صلی الله عليه وآله وسلم، ثم ليلة القدر، ثم ليلة الإسراء والمعراج، ثم ليلة عرفة، ثم ليلة الجمعة، ثم ليلة النصف من شعبان، ثم ليلة العيد.

”راتوں میں سے افضل ترین شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، پھر شبِ قدر، پھر شبِ اِسراء و معراج، پھر شبِ عرفہ، پھر شبِ جمعہ، پھر شعبان کی پندرہویں شب اور پھر شبِ عید ہے۔“

.1ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار علی تنویر الأبصار، 2 : 511

.2شروانی، حاشیۃ علی تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، 2 : 405

.3نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 3 : 426

3۔امام نبہانی (م1350ھ) اپنی مشہور تصنیف ”الانوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیۃ (ص:28)“ میں لکھتے ہیں:

وليلۃ مولدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إفضل من ليلۃ القدر.

’’اور شبِ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ قدر سے افضل ہے۔‘‘

4۔ مولانا محمد عبدالحیٔ فرنگی محلّی لکھنوی (1264۔1304ھ) شبِ قدر اور شبِ میلاد میں سے زیادہ فضیلت کی حامل رات کے بارے میں پوچھے جانے والے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’تمام راتوں پر شبِ قدر کی بزرگی منصوص اور کئی طرح سے ثابت ہے:

1۔ اِس رات میں اَرواح اور ملائکہ کا نزول زمین پر ہوتا ہے۔

2۔ شام سے صبح تک تجلی باری تعالیٰ آسمانِ اَوّل پر ہوتی ہے۔

3۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ اَوّل پر نزولِ قرآن اِسی رات میں ہوا ہے۔

اور انہی بزرگیوں کی وجہ سے تسکین اور تسلیء اُمتِ محمدیہ کے لیے اس ایک رات کی عبادت ثواب میں ہزار مہینوں کی عبادت سے زائد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ○

''شبِ قدر (فضیلت و برکت اور اَجر و ثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' ○

القدر، 97 : 3

اور حدیث میں بھی اِس رات کے جاگنے کی تاکید آئی ہے اور بعض محدثین نے جو شبِ میلاد کو شبِ قدر پر فضیلت دی ہے تو اُن کا یہ منشا نہیں کہ شبِ میلاد کی عبادت ثواب میں شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے کیوں کہ ثواب اور عقاب کی حالت یہ ہے کہ جب

تک نصِ قطعی نہ پائی جائے کسی کام کو باعثِ ثواب نہیں قرار دے سکتے۔ مگر شبِ میلاد کو شبِ قدر پر اپنے اِفتخارِ ذاتی سے خدا کے سامنے فضیلت حاصل ہے۔''

عبدالحہ، مجموعہ فتاویٰ، 1 : 86، 87

شبِ قدر کو فضیلت اس لیے ملی کہ اِس میں قرآن حکیم نازل ہوا اور اِس میں فرشتے اترتے ہیں؛ جب کہ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا یہ عالم ہے آپ پر قرآن نازل ہوا اور روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اَقدس کی زیارت اور طواف کرتے ہیں اور بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا اور فرشتوں میں سے جو ایک بار روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کا شرف پالیتا ہے دوبارہ قیامت تک اُس کی باری نہیں آئے گی۔ (1) فرشتے تو دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم اور جاروب کش ہیں۔ وہ اُتریں تو شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل ہو جاتی ہے اور جس رات ساری کائنات کے سردار تشریف لائیں اس کی فضیلت کا اِحاطہ کرنا انسان کے علم و شعور کے لیے نا ممکن ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی رات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے مہینہ پر کروڑوں اربوں مہینوں کی فضیلتیں قربان! خاص بات یہ ہے کہ شبِ قدر کی فضیلت فقط اہلِ ایمان

کے لیے ہے۔ باقی انسانیت اس سے محروم رہتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد فقط اہلِ ایمان کے لیے ہی باعثِ فضل و رحمت نہیں بلکہ کل کائنات کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ساری کائنات میں جملہ مخلوق کے لیے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر خوشی کا اظہار کرنا باعثِ اَجر و ثواب ہے۔

1. ابن مبارك، الزہد: 558، رقم: 1600

2. دارمی، السنن، 1 : 57، رقم: 94

3. قرطبیّ، التذكرة فی إمور إحوال الموتی وإمور الآخرة: 213، 214، (باب فی بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قبره)

4. نجار، الرد علی من یقول القرآن مخلوق: 63، رقم: 89

5. ابن حبان، العظمۃ، 3 : 1018، 1019، رقم: 537

6. إزدی، فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 92، رقم: 101

7. بیہقی، شعب الإیمان، 3 : 492، 493، رقم: 4170

8. إبو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 5 : 390

9. ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : 833، رقم: 1578

10. ابن قیم، جلاء الأفہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الأنام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 68، رقم: 129

11. سمہودی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 559

12. قسطلانی، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، 4 : 625

13. سیوطی، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، 2 : 376

14. صالحی، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 12 : 452، 453

15. زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، 12 : 283، 284

## 2۔ جشنِ نزولِ خوانِ نعمت سے اِستدلال

پہلی اُمتوں کو بھی اللہ رب العزت نے اپنی نعمتوں سے نوازا جس پر وہ اللہ کے حضور شکر بجالاتے اور حصولِ نعمت کا دن بطورِ عید مناتے تھے۔ جیسے خوانِ نعمت ملنے کا دن جشنِ عید کے طور پر منایا جاتا تھا۔ اِس مثال سے مقصود یہ باور کرانا ہے کہ سابقہ اُمتیں اپنی روایات کے مطابق مخصوص دن مناتی چلی آ رہی ہیں اور قرآن نے ان کے اس عمل کا ذکر بھی کیا ہے۔

رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيداً لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ.

المائدة، 5 : 114

”اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اُترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہو جائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو۔“

لہٰذا جب سابقہ اُمتیں معمولی سی نعمت پر شکر بجالاتی تھیں تو اُمت مسلمہ پر بہ درجۂ اتم لازم آتا ہے کہ وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی منا کر اس عظیم ترین نعمت کا شکر شرحِ صدر کے ساتھ بجالائے، کیوں کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا.

”اور اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔“

آل عمران، 3 : 103

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بندوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو ایک دوسرے کا غم خوار بنا دیا۔ ان کی نفرتوں اور عداوتوں کو محبتوں اور مروّتوں سے بدل دیا۔ حقیقتاً یہ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے تصدق سے عالمِ انسانیت کو نصیب ہوئی، اس نعمت کا مبداء و مرجع بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اَقدس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا اور لوگوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر حلقہ بگوش ہونا اور خون کے پیاسوں کا باہم شیر و شکر ہونا اس اَمر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے موقع پر بارگاہِ خداوندی میں سراپا تشکر بن جائیں۔

3۔ جشنِ آزادی منانے سے اِستدلال

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرکے ان پر شکر بجالانا صرف اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر واجب نہیں بلکہ سابقہ اُمتوں کو بھی یہی حکم تھا۔ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا:

يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ O

”اے اولادِ یعقوب! میرے وہ اِنعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور یہ کہ میں نے تمہیں (اُس زمانے میں) سب لوگوں پر فضیلت دی“ O

البقرة، 2 : 47

اسی طرح دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے اِحسانات گنوائے ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا:

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ.

”اور (اے آلِ یعقوب! اپنی قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے رہائی دی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے۔“

البقرة، 2 : 49

قرآن حکیم کی محولہ بالا آیاتِ مبارکہ سے یہ نکتہ مستنبط ہوتا ہے کہ قومی آزادی بھی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔ قومی آزادی بلا شبہ ایک نعمتِ خداوندی ہے اور اس کے حصول پر شکر بجالانا حکمِ ایزدی کی تعمیل ہے۔ ہمارے وطن پاکستان کا برطانوی اِستعمار کے تسلط سے آزاد ہونا اور ایک نئی اسلامی ریاست کے طور پر معرضِ وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جب ہم ہر سال 14 اگست کو نعمتِ آزادی کے حصول پر خوشی مناتے ہیں تو یہ قرآن حکیم کے حکمِ تشکر کے حوالے سے بھی ہم پر لازم آتا ہے۔

اِسی طرح نصِ قرآنی سے یہ اَمر بھی واضح ہوگیا کہ قومی آزادی کے موقع پر ہر سال اس کی یاد منانا اور مختلف طریقوں سے شکر بجالانا محض دنیوی اور سیاسی نہیں بلکہ دینی اور شرعی فعل ہے اور اِسے نہ ماننا حکمِ الٰہی سے انحراف کے مترادف ہے۔ ہر زمانے،

ہر صدی اور ہر دور کا ایک عالمی کلچر ہوتا ہے۔ ہر ملک، ہر قوم اور ہر قبیلہ اپنے اپنے تاریخی حوالوں سے ایامِ تشکر یا ایامِ مسرت مناتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک یا خطہ ایسا نہیں جہاں کے رہنے والے لوگ مذہبی تہوار یا کوئی نہ کوئی قومی تہوار نہ مناتے ہوں۔ یہودی، عیسائی، بدھ، ہندو حتیٰ کہ ملحد قومیں بھی اپنے اپنے ثقافتی پس منظر اور روایات سے ہم آہنگی قائم رکھتے ہوئے خوشی کے دن مناتی ہیں۔ مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے ایام اللہ عنایت فرمائے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہماری زندگی کے لیے ہدایت و شریعت اور تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ ہے۔ آج کے عالمی کلچر کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشنِ میلاد اِسلامی ثقافت کے اِبلاغ کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

## تہذیبی تسلسل کا اَہم تقاضا

مذکورہ بالا آیات میں جہاں تک تذکیرِ نعمت کا حکم ہے تو یہ واضح ہے کہ قرآنِ حکیم کا اشارہ ایک خاص واقعہ کی طرف ہے۔ لیکن شکر بجالانے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہر وقت یاد رہے اور اسے کسی لمحے بھی دل و دماغ سے محو نہ ہونے دیا جائے تاکہ ہر گھڑی بندے کا دل اللہ کے شکر کی کیفیت سے معمور رہے۔ مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سال بھر یاد رکھنے کے باوجود جب گردشِ ایام کے نتیجے میں وہی دن اور وہی وقت پلٹ کر آتا ہے تو وہ خوشی خود بخود غیر شعوری طور پر کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ

انسان کا طبعی و فطری تقاضا اور ثقافتی لازمہ ہے کہ عین اُس وقت بطورِ خاص اُس نعمت کو یاد کیا جائے اور خوشی و مسرت میں اس کا ذکر کثرت و تواتر کے ساتھ کیا جائے۔ نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی اور اِہتمام سے خوشی و مسرت کا اظہار کرنا اس لیے لازم ہے کہ آئندہ نسلوں کو وہ نعمت یاد رہے اور اس دن کی اہمیت ان پر واضح ہو سکے۔ تاریخ کے اوراق میں ایک زندہ و پائندہ قوم کی طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تہذیب و ثقافت کے تسلسل ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اِحسانات پر شکر ادا نہیں کر سکتے اور اپنی تاریخ کے اہم واقعات کو اچھی روایات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل نہیں کر سکتے تو بعید نہیں کہ آنے والی نسلیں اللہ کے ان احسانات سے بے خبر ہو جائیں اور ان کی نظروں سے اس دن حاصل ہونے والی نعمت کی قدر و منزلت بھی محو ہو جائے۔ لہٰذا حکمِ اِلٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سال بھر تو اللہ تعالیٰ کا عام شکر بجالایا جاتا رہے لیکن جب وہ دن آئے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے آزادی کی نعمت اَرزانی فرمائی۔ تو خصوصی طور پر خوشیوں کا اِظہار کیا جائے تاکہ وہ دن جشن کی حیثیت اختیار کر جائے اور آئندہ نسلوں پر اس دن کی حقیقت کھل کر واضح ہو جائے۔ پس اگر آزادی کی نعمت پر شکر منانا قرآن سے ثابت ہے تو اُس ذاتِ اَقدس کی آمد کی خوشی منانا کیوں جائز و مستحسن نہ ہو گا جو وجہ تخلیقِ کائنات ہیں اور جن کے توسّل اور تصدّق سے تمام نعمتیں عطا کی گئیں۔

4۔ نعمتوں پر خوشی منانا سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی اُمت کے لیے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں عرض کیا:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ.

”اے اللہ ! اے ہمارے رب ! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرمادے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہو جائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو۔“

المائدہ، 5 : 114

قرآن مجید نے اس آیت میں نبی کی زبان سے یہ تصور دیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اُترے اس دن کو بطور عید منانا اس نعمت کے شکرانے کی مستحسن صورت ہے۔

''اَوَّلِنَا'' اور ''اٰخِرِنَا'' کے کلمات اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ نزولِ نعمت کے بعد جو امت آئے اس کے دورِ اوائل میں بھی لوگ ہوں گے اور دور اواخر میں بھی، سو جو پہلے دور میں ہوئے انہوں نے عید منائی اور جو رہتی دنیا تک آخر میں آئیں گے وہ بھی یہی وطیرہ اپنائے رکھیں۔

قابلِ غور نکتہ

آیت میں مذکور اَلفاظ۔ ''اَوَّلِنَا'' اور ''اٰخِرِنَا''۔ میں کلمہ ''نَا'' اِس اَمر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نعمت کی خوشیاں وہی منائے گا جو اس نعمت کے شکر میں ہمارے ساتھ شریک ہوگا، اور جو اس خوشی میں ہمارے ساتھ شریک نہیں اس کا عید منانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں قرآن نے لوگوں کے دلوں کے اَحوال پرکھنے کے لیے ایک معیار دے دیا ہے۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت تھی اور یہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مائدہ کی عارضی نعمت تھی اور یہاں ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی نعمت ہے لیکن یہاں ہمارے لیے بھی وہی معیار ہے کہ جب ماہِ ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا دن آئے اور عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعید ساعتیں ہم پر طلوع ہوں تو دیکھنا ہے کہ ہم میں سے کون اپنے دلوں کو خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بنالیتا ہے اور اپنے آپ کو ''اَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا'' میں شامل کرلیتا ہے۔ اگر اس کے برعکس میلادِ مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی کا دل خوشی سے لبریز نہ ہو بلکہ دل میں ہچکچاہٹ، شکوک و شبہات اور کینے کی سی کیفیت پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ کیوں کہ یہ انتہائی خطرناک بیماری ہے اور اس سے اجتناب دولتِ ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیوا اور اُمتی ہو کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشیاں نہ منائے۔

میلاد مبارک پر دلائل طلب کرنا اور اس کے عدمِ جواز پر بحث و مناظرہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے تقاضوں کے منافی ہے، محبت کبھی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مبارک مہینہ آئے تو ایک مومن کی قلبی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ خوشیاں منانے کے لیے اُس کا دل بے قرار اور طبیعت بے چین ہو جائے، اسے یوں لگے کہ اس کے لیے کائنات کی ساری خوشیاں ہیچ ہیں اور میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی ہی حقیقی خوشی ہے۔ وہ محسوس کرے کہ اس دن کائنات کی ساری خوشیاں سمٹ کر اس کے دامن میں آ گری ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کے لیے مسرت و شادمانی کا اور کون سا موقع ہوگا، وہ تو اس خوشی سے بڑھ کر کائنات میں کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

5۔ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں منانے کا حکمِ خداوندی

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نعمتوں کا شکر بجالانے کا ایک مقبولِ عام طریقہ خوشی و مسرت کا اِعلانیہ اظہار ہے۔ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے! یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے لیے خود ربِ کریم نے خوشیاں منانے کا حکم فرمایا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ o

”فرما دیجئے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ (خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں“ o

یونس، 10 : 58

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا رُوئے خطاب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ اپنے صحابہ اور ان کے ذریعے پوری اُمت کو بتا دیجئے کہ ان پر اللہ کی جو رحمت نازل

ہوئی ہے وہ ان سے اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر جس قدر ممکن ہو سکے خوشی اور مسرت کا اظہار کریں، اور جس دن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی صورت میں عظیم ترین نعمت اُنہیں عطا کی گئی اسے شایانِ شان طریقے سے منائیں۔ اس آیت میں حصولِ نعمت کی یہ خوشی امت کی اجتماعی خوشی ہے جسے اجتماعی طور پر جشن کی صورت میں ہی منایا جاسکتا ہے۔ چوں کہ حکم ہو گیا ہے کہ خوشی مناؤ، اور اجتماعی طور پر خوشی عید کے طور پر منائی جاتی ہے یا جشن کے طور پر۔ لہٰذا آیہ کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ مسلمان یومِ ولادتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے طور پر منائیں۔ اس ضمن میں چند قابلِ ذکر نکات درج ذیل ہیں:

(1) لفظ قُلْ میں مضمر قرآنی فلسفہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کہیں براہ راست لوگوں کو مخاطب کیا جیسے ''یاَاَیُّھَا النَّاسُ'' اور ''یاَاَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا'' وغیرہ، اور کہیں بعض حقائق اور اَحکامات صادر کرتے ہوئے لفظ ''قُلْ'' استعمال کیا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے واسطہ جلیلہ سے اعلان کرانا مقصود تھا۔ قُلْ اَمر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے: ''کہہ دے۔'' اُصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی کلمہ ''قُلْ'' سے کسی اَمر کی نشاندہی کی

گئی ہے وہ دین کے بنیادی اور اَہم ترین حقائق سے متعلق ہے، مثلًا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا اِعلان اور توحید کا صحیح تصور واضح فرمانا چاہا تو فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ O

(”اے نبیء مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے“ O

الاخلاص، 112 : 1

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب مقصودِ بندگی یعنی محبتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا تو یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کہلوایا:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ.

( "اے حبیب ! ) آپ فرمادیں : اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔"

آل عمران، 3 : 31

پھر کامل اظہارِ عبودیت و بندگی کا مرجع، موت و حیات، عبادات اور ہر قسم کی قربانی کا فلسفہ بیان فرماتے ہوئے واضح کیا کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ O

"فرمادیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے" O

الانعام، 6 : 162

قرآن حکیم کے اس طرزِ بیان کے فلسفہ و حکمت کی درج ذیل توجیہات ہماری توجہ اور غور و فکر کی متقاضی ہیں:

)ا) اِیمان باللہ سے پہلے اِیمان بالرسالت کی ناگزیریت

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے جس کا ہر ہر لفظ زبان نبوت سے ادا ہوا لیکن اس کے باوجود توحید خداوندی، محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور دیگر متعدد عقائد و اعمال پر مبنی احکام کا اعلان لفظ "قُل" کے ذریعے کرایا گیا کہ "اے محبوب! آپ اپنی زبان سے فرمائیں" تاکہ لوگ آپ سے سن کر میرے خالق و مالک اور واحد و یکتا ہونے پر ایمان لے آئیں۔ میری ہستی اور اُلوہیت و وحدانیت کا صحیح ادراک صرف آپ کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ تو پھر مناسب یہی ہے کہ میری وحدانیت کا اعلان بھی آپ ہی کریں تاکہ لوگ آپ کی زبانِ اَقدس سے سن کر میری توحید پر ایمان لائیں اور اس ایمان سے پہلے وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ پس اگر کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے بغیر اللہ کو ماننا چاہے تو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن مسلمان و مومن نہیں ہو سکتا۔ دائرۂ اِسلام میں داخل ہونے کے لیے ایمان بالرسالت کے واسطہ سے ایمان باللہ ضروری ہے۔ ایسا دعویء ایمان کہ جس میں فقط اُلوہیت ہی کا اقرار ہو اور نبوت و رسالت کا اِنکار تو یہ بذاتِ خود کفر ہے۔ لہٰذا لفظ "قُل" میں یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

معرفتِ خداوندی کا واحد ذریعہ گردانتے ہوئے عرفانِ توحید کے لیے دہلیز نبوت پر اِطاعت و محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی پیشانی خم کر دیں، کیوں کہ کسی اور واسطہ یا ذریعہ سے ذاتِ حق تک رسائی کا تصور بھی ناممکن ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست

اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است

اِقبال، کلیات (اُردو)، اَرمغانِ حجاز: 691

)دین سارے کا سارا درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس دَر تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔(

اِس موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے راقم کی کتاب ’’کتاب التوحید‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

)ب) لفظ ’’قُلْ‘‘ سے حکم کی اَہمیت اور فضیلت بڑھ جاتی ہے

کلامِ اِلٰہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انسانیت تک پہنچا ہے۔ اِس میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کسی حکم کی اَہمیت اور فضیلت کے پیشِ نظر لوگوں کو اس کی طرف بہ طور خاص راغب اور متوجہ کرنا ضروری تھا۔ اِس کے لیے لفظ ''قُلْ'' کا استعمال کیا گیا۔ علاوہ ازیں قرآن کے وہ مقامات جہاں قُلْ کہہ کر بات شروع کی گئی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ توسل کی ناگزیریت پر دال ہیں۔ اس نکتے سے یقیناً آیات قرآنی میں لفظ ''قُلْ'' کے استعمال میں کارفرما حکمتیں بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً محولہ بالا آیت۔ (قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا)۔ پر غور کریں تو اس میں بے شمار حکمتیں پنہاں نظر آتی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ لفظ ''قُلْ'' کے بغیر حکم فرما سکتا تھا کہ ''لوگو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے حصول پر خوشیاں مناؤ۔'' لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ اسلوب بیان یہ ہے: ''محبوب! یہ بات آپ اپنی زبان سے ان لوگوں سے فرما دیں۔''

یہاں سوال اٹھتا ہے کہ نعمت عطا کرنے والا تو اللہ رب العزت خود ہے اور خوشی منانے والے اس کے بندے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو یہ حکم خود بھی دے سکتا تھا، مگر اس نے ایسا کیوں نہ فرمایا کہ ''میرے بندو! میری اس نعمت پر خوشی مناؤ۔'' جیسا کہ اس نے سابقہ امتوں سے براہ راست مخاطب ہو کر نعمت کو یاد کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہاں خوشی منانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کیوں دلوایا جا رہا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ آیت خود دے رہی ہے کہ اے محبوب! آپ کی ذات ستودہ صفات

ہی کائنات کی تمام نعمتوں کا سبب ہے اور چونکہ اس نعمت کا باعث ہی آپ ہیں اس لیے آپ ہی بتادیں کہ لوگو! یہ نعمت جو میرے وجود، میری بعثت اور میری نبوت و رسالت کی صورت میں اللہ نے تمہیں عطا فرمائی ہے، اس پر جتنی بھی خوشی مناؤ کم ہے۔

(2) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت ہیں

سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں دو چیزوں یعنی اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں فضل اور رحمت کا الگ الگ ذکر کیوں کیا گیا اور ان سے کیا مراد ہے؟

قرآن حکیم کے اسالیبِ بیان میں سے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ جب فضل اور رحمت کا ذکر ہو رہا ہو تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہوتی ہے۔ اس کی مزید شہادت تو بعد میں بیان کی جائے گی، پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس آیتِ کریمہ میں فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے؟

ایک لطیف علمی نکتہ

زیر نظر آیہ کریمہ میں دو چیزیں مذکور ہیں:

1۔اللہ کا فضل

2۔اللہ کی رحمت

ان دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ ہے۔ عام اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح فضل اور رحمت کا ذکر جدا جدا ہوا، اُن دونوں کے لیے بیان کردہ حرفِ اشارہ۔ ذٰلِكَ (وہ)۔ بھی اُسی طرح تثنیہ کا ہوتا۔ لیکن یہاں یہ قاعدہ ملحوظ نہیں رکھا گیا (یعنی یوں نہیں کہا گیا: ”ان کی خاطر خوشیاں مناؤ،“ بلکہ فرمایا: ”اس کی خاطر“)۔ گرامر کی رُو سے یوں کہا جاتا ہے: ”زید اور بکر کمرے میں آئے۔“ نہ کہ اس طرح: ”زید اور بکر کمرے میں آیا۔“ آنے والے جب دو ہیں تو صیغہ بھی دو کا استعمال ہونا چاہیے۔ اسی طرح عربی زبان میں ذٰلک اِشارۂ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جب تثنیہ یا جمع کا ذکر آئے تو اس کے لیے اشارہ بھی بالترتیب ذٰنک یا اُولٰئِكَ بولا جاتا ہے۔ اس اصول کو ذہن میں رکھ کر اگر مذکورہ آیت پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ فضل اور رحمت کے ذکر کے بعد واحد اشارہ ذٰلِكَ لایا گیا ہے۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ کیا قرآن نے اپنے بیان میں قواعد کو بدل دیا ہے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ تو ماننا پڑے گا کہ صیغۂ واحد اِس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اس مقام پر فضل اور رحمت سے مراد بھی

کوئی ایک ہی وجود ہے۔ اس اُسلوبِ بیان سے اس بات کی وضاحت مقصود تھی کہ لوگ کہیں اللہ کے فضل اور رحمت کو کسی اور سمت تلاش کرنے نہ لگ جائیں بلکہ اچھی طرح یہ نکتہ سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنا فضل اور رحمت در حقیقت ایک ہی ذات میں جمع کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اس ایک ہی مبارک ہستی کے سبب سے شکر ادا کیا جائے اور خوشیاں منائی جائیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن

اگر ہم مذکورہ آیت کی تفسیر بالقرآن کرتے ہوئے بعض دیگر مقاماتِ قرآنی پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت اَظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ لفظ رحمت کی تفسیر سورۃ الانبیاء کی اُس آیت سے ہوتی ہے جس میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صفاتی لقب رحمۃ للعالمین بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِيْنَ O

”اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر“o

الأنبياء، 21 : 107

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات کے لیے سراپا رحمت بنایا گیا ہے جس میں صرف عالمِ اَرضی ہی نہیں بلکہ دیگر سارے عوالم بھی شامل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائرہ رحمت تمام انسانیت کو محیط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا مجسم رحمت بنایا جانا جملہ بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت کے لیے ہے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معبوث فرمایا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں متشکل ہو کر منصہ عالم پر جلوہ گر ہوئی۔

قرآن حکیم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا فضل اور اس کی رحمت قرار دیتے ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

2. فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَO

''پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہ ہو جاتے''o

البقرہ، 2 : 64

درج ذیل آیہ کریمہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کا فضل اور رحمت ہونے کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے:

3. وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيْلًاO

''اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے''o

النساء، 4 : 83

اس مقام پر اللہ رب العزت کا رُوئے خطاب عام مومنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی طرف ہے۔ اس نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور بعثت کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس میرے حبیب تشریف نہ لاتے تو تم میں سے اکثر لوگ شیطان کے پیروکار ہو چکے ہوتے اور کفر و شرک اور گمراہی و تباہی تمہارا مقدر بن چکی ہوتی۔ پس میرے محبوب پیغمبر کا تمہاری طرف مبعوث ہونا تم پر اللہ کا فضل بن گیا کہ اس کی آمد کے صدقے تمہیں ہدایت نصیب ہوئی اور تم شیطان کی پیروی اور گمراہی سے بچ گئے۔

یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے راہِ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت میں اپنا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمایا اور بنی نوع انسان شیطانی حملوں سے بچ گئی۔ اس رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد سرانجام دیے جانے والے اُمور کی تصریح بھی خود قرآن فرما رہا ہے:

.4 لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ ○

”بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“o

آل عمران، 3 : 164

بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل پورا عالم انسانی گمراہی و ضلالت میں مبتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تلاوتِ آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعے جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے باہر نکالا، ان کے دلوں کو ایمان کے نور سے منور کیا اور ان کی جانوں اور روحوں کو نبوی تعلیم و تربیت کی بدولت تمام دنیوی آلائشوں سے پاک اور صاف کیا۔ یہ عالم انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا فضل اور رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے اپنے اِحسانِ عظیم کے طور پر ذکر کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ ”فَلْيَفْرَحُوا“ کے اس مصداق پر اہلِ اِسلام جتنی بھی خوشی منائیں کم ہے۔ یہ خوشی صرف محسوس ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کا کھلا اظہار ہونا بھی ضروری ہے۔

دوسرے مقام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ بالا صفات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

.5 ہُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ o

”وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“ o

الجمعۃ، 62 : 2

یہ آیۂ کریمہ بتلا رہی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ رسول ہیں جنہوں نے آ کر ان کفر و ضلالت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات

سنائیں اور اپنے اعجاز نظر سے ان کے باطن کے میل کچیل کو دور کیا اور ان کے من کی دنیا کو صاف ستھرا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی انہیں کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کا نور عطا فرمایا جس کی بدولت لوگ معرفت و ہدایتِ الٰہی جیسی نعمتوں سے مستفیض ہوئے، ورنہ قبل ازیں تو یہ دنیائے انسانیت کھلی گمراہی کا شکار تھی۔ آمدِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہدایتِ الٰہی کے نور کے اظہار کا پیش خیمہ بنی اور یہی اللہ کا فضل اور رحمت ہے جس کے حصول پر اہلِ ایمان پر یہ لازم ہے کہ وہ ہدیہ تشکر بجالائیں اور اس کا اظہار جشنِ مسرت منا کر کریں۔

اس سے اگلی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیضِ رسالت میں شامل کر لیا، اور بعثتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

6. وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

”اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اِس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تزکیہ و تعلیم کے لیے بھیجا ہے) جو ابھی اُن لوگوں سے نہیں ملے (جو اِس وقت موجود

ہیں یعنی اِن کے بعد کے زمانہ میں آئیں گے ) ، اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے o یہ (یعنی اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور اِن کا فیض و ہدایت ) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے'' o

الجمعہ، 62 : 3، 4

سورۃالجمعۃ کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے رسول کہا اور بعد ازاں اس نعمتِ رسالت کو اپنے فضل سے تعبیر فرمایا۔ اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر دور میں آنے والی مخلوق کے لیے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا اور اس میں کسی نسل، مقام اور زمانے کا استثنا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے لوگ الاولین کے زمرے میں آتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ سورۃالجمعۃ کی تیسری آیت میں وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد ہوں گے۔ ان میں دوسری تمام قوموں اور معاشروں کے لوگ بھی شامل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں داخل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شامل ہوتے رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے زمرے میں آتے ہیں،

جنہوں نے نہ توآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور نہ کبھی شرفِ ملاقات سے بہرہ ور ہوئے، وہ زمانی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف اَدوار میں ہوں گے اور ان کا شمار متاخرین میں ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و بعثت کا ذکر کرنے کے بعد سورۃالجمعۃ کی آیت نمبر 3 میں ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ فرمایا۔ اِس سے مراد ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: میرے حبیب کی ولادت و بعثت اور بعد ازاں اس کی معرفت میرا فضل ہے، جس پر چاہوں کروں۔ تو جو کوئی میرے حبیب کی محبت سے سرشار ہے، اور جو تعظیم مصطفیٰ کرتا ہے اس پر میرا فضل ہوتا ہے۔ جس طرح میں نے دورِ نبوی کے لوگوں کو اپنی رحمت اور فضل سے نوازا اسی طرح تم پر بھی اپنے فضل و رحمت کی دولت نچھاور کرتا ہوں۔

سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 کی مزید تشریح و توضیح سے پہلے ضروری ہے کہ سورۃالجمعۃ کی آیت نمبر 4 کے مفاہیم خوب سمجھ لیں۔ ذیل میں ہم اِسی آیت کی تفسیر و تعبیر بیان کریں گے:

(ا) وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ کا معنی

اِس کالفظی معنی ہے: ''اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا خالق ہے، تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مالک ہے، وہ اپنے فضل میں بھی عظیم ہے۔ تمام فضل پر اسی کا تصرف اور اسی کی حکمرانی ہے۔ یہ انتہائی معنی خیز بات ہے جسے سمجھنا ضروری ہے کہ وہ تمام فضل کا مالک کیسے ہے، وہ خود فضل کیوں نہیں ہے؟ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کسی مکان کے حوالے سے پوچھا جائے کہ یہ مکان کس کا ہے تو کہنے والا کہے گا کہ یہ مکان فلاں صاحب کا ہے۔ اسی طرح جب کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا تم پر احسان ہے یعنی میں صاحبِ اِحسان ہوں۔ جب کہ زیادہ احسان کرنے والے کے لیے ذوالاحسان کا لفظ بولا جائے گا۔ اگر آپ عربی لغت کے قواعد دیکھیں تو واضح ہوگا کہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں لیکن ایک ساتھ آتے ہیں۔ ایک شخص مضاف ہوتا ہے اور دوسرا مضاف اِلیہ ہوتا ہے، جیسے صاحب الکتاب، ذوالکتاب اور ذوالفضل میں مضاف اور مضاف الیہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ دونوں ایک ہی شخص ہوں۔ اس کی ایک مثال ''رَسُوْلُ اللّٰہِ'' ہے جس میں ''رسول'' مضاف ہے اور لفظ ''اللّٰہ'' مضاف الیہ ہے۔ پس اس قاعدہ کی رُو سے رسول، اللہ نہیں ہو سکتا اور اللہ، رسول نہیں ہو سکتا۔

اس نکتہ کی تفہیم کے بعد ہم دوبارہ قرآن حکیم کی طرف آتے ہیں اور اس اصول کا اطلاق کرتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے کہا گیا ہے: وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔ ''ذُوالْفَضْلِ'' مضاف اور مضاف الیہ ہے۔ قاعدہ کی رُو سے

مضاف اور مضاف اِلیہ ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فَضل اور ذُوالفَضلِ بھی دو جدا جدا ہستیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس فضل کا مالک ہے۔ وہ بذاتِ خود فضل نہیں، کیوں کہ فضل وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوگا کہ وہ خود فضل نہیں تو فضل کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانیت کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا اور جس کا نامِ نامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ذیل میں ہم اسی موقف کی تائید میں چند نام وَر تفاسیر کی عبارات نقل کریں گے تا کہ کوئی اِبہام باقی نہ رہے:

)ب) ائمہ تفسیر کے نزدیک "فَضْلُ اللّٰہِ" سے مراد

سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر 4 کے الفاظ "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ" اور "وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ" رسولِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے لیے وحی کیے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورودِ مسعود عالم انسانیت کے لیے ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر کسی نے فضل کو جیتی جاگتی صورت میں دیکھنا ہو تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں دیکھ لے۔ اس نکتے کی توضیح و تشریح خود

قرآن مجید نے فرمادی ہے۔ ذیل میں ہم اس خاص آیت کریمہ کے حوالے سے چند اہم تفاسیر کا حوالہ ذکر کر رہے ہیں:

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م 68ھ) الْفَضْلِ الْعَظِيمِ کی مرادیوں بیان کرتے ہیں:

(وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ) المن (الْعَظِيمِ) بالإسلام والنبوة على محمد صلى الله عليه وآله وسلم، ويقال: بالإسلام على المؤمنين، ويقال: بالرسول والكتاب على خلقه.

"فضلِ عظیم یعنی دینِ اسلام اور نبوتِ محمدی کی صورت میں احسانِ عظیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مومنوں پر اسلام کی صورت میں احسان عظیم ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: مخلوق پر وجودِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نزولِ قرآن کی صورت میں احسانِ عظیم ہے۔"

فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: 471

2۔ علامہ زمخشری (467۔538ھ) نے بیان کرتے ہیں:

)ذٰلِكَ( الفضل الذی إعطاہ محمداً او ہو إن یکون نبی إبناء عصرہ، و نبی إبناء العصور الغوابر، ہو (فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ.(

)''ذٰلِکَ( سے مراد وہ فضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے (تا قیامت) اور پہلے زمانوں کے لوگوں کے لیے بھی نبی ہونا ہے۔ یہی اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔''

زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوہ التأویل، 4 : 530

3۔ علامہ طبرسی (م 548ھ) مذکورہ الفاظ کی مرادیوں واضح کرتے ہیں:

)وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ( ذو المن العظیم علی خلقہ ببعث محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”وہ اُس اِحسانِ عظیم والا ہے جو اُس نے اپنی مخلوق پر بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے کیا۔“

طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، 10 : 429

یعنی رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیائے انسانیت کی طرف بھیجا جانا اللہ تعالیٰ کا عظیم تر فضل اور احسان ہے۔

4۔ علامہ ابن جوزی (510۔579ھ) فرماتے ہیں:

)وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ) بإرسال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ اور (اس کا یہ فضل) بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہوا۔“

ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، 8 : 260

یعنی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنی نوع انسان میں تشریف آوری اور بعثت اللہ کا بہت بڑا فضل (الفضل العظیم) اور انعام ہے۔

5۔ امام نسفی (م 710ھ) فرماتے ہیں :

) ذٰلِكَ ) الفضل الذی إعطاه محمدًا . . . وھو إن یکون نبی إبناء عصره ونبی إبناء العصور الغوابر .

) ''ذٰلِكَ ) سے مراد وہ فضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے (تا قیامت) اور پہلے زمانوں کے لوگوں کے لیے بھی نبی ہونا ہے۔''

نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، 5 : 198

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور اور بعثت مبارکہ اُن سب کو اپنے دامنِ رحمت میں لیے ہوئے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے زمانوں میں آنے والے اور بعد میں آنے والے تا قیامِ قیامت آپ کے فیوضاتِ رسالت سے مستفیض ہوں گے۔ یہ ہے ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ'' کی تفسیر جس میں امام نسفی نے دونوں معانی کا اِحاطہ کیا ہے۔ ''وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ'' میں وہ لوگ شامل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا ہوں گے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بھی رسول ہوں گے اور ان کا شمار بھی اس زمرے میں ہوگا جن کے لیے ''فَلْيَفْرَحُوا'' کا حکم اِلٰہی وارِد ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منائیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور اس عالم ارضی میں ان کے لیے مژدۂ عظیم بن کر آیا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی صدیوں میں آتے رہے یا آتے رہیں گے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

6۔ امام خازن (678۔741ھ) ''الْفَضْلِ الْعَظِيمِ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِلیٰ علیٰ خلقه حیث اِرسل فیهم رسوله محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل ہے جو اس نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر فرمایا۔“

خازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، 4 : 265

7۔ ابو حیان اندلسی (682۔749ھ) اس لفظ کی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و (ذٰلِکَ) إشارة إلی بعثته علیه السلام.

”ذٰلِکَ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے۔“

ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، 8 : 265

8۔امام ابن کثیر (701۔774ھ) تفسیر کرتے ہیں:

یعنی ماإعطاء اللہ محمدًا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من النبوۃ العظیمۃ، وما خص بہ إمتہ من بعثتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

’’اس سے مراد وہ نبوتِ عظیمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی، اور (اس سے مراد) وہ خصائص ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ذریعے اُمت کو نوازا گیا۔‘‘

ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 4 : 364

پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورودِ مسعود اور نبوت دونوں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

9۔امام سیوطی (849۔911ھ) لکھتے ہیں:

)ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ) النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومن ذکر معہ.

)"ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ) میں فضل سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مذکور لوگ ہیں۔"

سیوطی، تفسیر الجلالین: 553

10۔علامہ آلوسی (1217۔1270ھ) اس لفظ کی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

)ذٰلِكَ) إشارة إلی ما تقدم من کونہ علیہ الصلاة والسلام رسولا فی الأمیین ومن بعدہم معلمًا مزکیا، وما فیہ من معنی البعد للتعظیم إی ذٰلِكَ الفضل العظیم.

’’ذٰلِكَ اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سورت کی ابتداء میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ رسول معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمیوں اور ان کے بعد آنے والوں کے درمیان انہیں تعلیم دینے اور ان کا تزکیہ کرنے کے لیے معبوث فرمائے گئے ہیں، اور اِشارۂ بعید۔ ذٰلِكَ۔ تعظیم کے لیے ہے یعنی بے شک وہ فضل عظیم ہیں۔‘‘

آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 28 : 94، 95

11۔ شیخ احمد مصطفیٰ مراغی (1300۔1372ھ) مذکورہ الفاظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

إی وإرسال ہذا الرسول إلی البشر مزکیا مطہراً لہم، ہادیا معلما، فضل من اللہ، وإحسان منہ إلی عبادہ.

’’اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم انسانیت کی طرف تزکیہ کرنے والا، پاک کرنے والا، ہدایت دینے والا اور علم دینے والا بنا کر بھیجنا اللہ کا اپنے بندوں پر فضل واِحسان ہے۔‘‘

احمد مصطفیٰ، تفسیر القرآن الکریم، 10!28 : 96

12۔ عصر حاضر کے ایک نام وَر مصری مفسر شیخ طنطاوی جوہری (م 1359ھ) لکھتے ہیں :

) وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ) فإذاکان محمد قدإرسلتہ إلیکم إیہاالأمیون وإلی من یأتی بعد کم .

’’اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔‘‘ میرا یہ فضل تم پر اُس وقت ہوا جب میں نے اے اُمّیو (اَن پڑھ لوگو) ! اپنے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہاری طرف اور تمہارے بعد آنے والوں کی طرف بھیجا۔‘‘

طنطاوی جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، 24 : 175

آیت کریمہ کی متذ کرہ بالا تفاسیر سے واضح ہوگیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلااِستثناء سب کے لیے فضل ہیں۔ لہٰذا جب نصِ قطعی سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ

کے فضل اور اس کی رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو یہ اَمر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اس رحمت اور فضل کے حصول پر ''فَلْيَفْرَحُوا'' کے حکم کے تحت عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی منانا بھی عین مدعائے قرآن اور منشائے حکمِ اِلٰہی ہے۔

ائمہ تفسیر کے نزدیک فضل ورحمت کا مفہوم

گزشتہ صفحات میں سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 کی تفسیر بالقرآن کے تحت سورۃ الجمعۃ کی آیات کی تفسیر و توضیح کے بعد اب ہم ذیل میں سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں مذکور الفاظ۔ فضل اور رحمت۔ کی تفسیر اور توضیح و تشریح چند مستند ائمہ تفاسیر کی آراء کی روشنی میں بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکے:

1۔ علامہ ابن جوزی (510۔579ھ) سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کا قول نقل کرتے ہیں:

إن فضل الله: العلم، ورحمته: محمد صلى الله عليه وآله وسلم. رواه الضحاك عن ابن عباس.

”ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک ”فضل اللہ“ سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔“

ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، 4 : 40

2۔ابوحیان اندلسی (682۔749ھ) ضحاک کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں:

و قال ابن عباس فیما روی الضحاک عنہ : الفضل : العلم، والرحمۃ : محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم (یعنی قرآن) اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔“

ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، 5 : 171

3۔ امام سیوطی (849۔911ھ) نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے:

وإخرج إبو الشیخ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الآیۃ، قال: فضل اللہ : العلم، ورحمتہ : محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. قال اللہ تعالی: (وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ) (1) - (2)

”ابو شیخ نے اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل اللہ سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: (اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر)۔“

(1) الأنبیاء، 21 : 107

(2) سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، 4 : 330

4۔علامہ آلوسی (1217۔1270ھ) بیان کرتے ہیں :

واخرج ابو الشیخ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الفضل العلم والرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، واخرج الخطیب وابن عساکر عنہ تفسیر الفضل بالنبی علیہ الصلاۃ والسلام.

’’ابو شیخ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ خطیب اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فضل سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔‘‘

آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 11 : 141

مذکورہ تفاسیر سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فضل سے مراد العلم لیتے ہیں اور العلم سے مراد قرآن حکیم ہے جس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے

:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاO

’’اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے‘‘o

النساء، 4 : 113

اگر فضل سے مراد علم یا قرآن حکیم لیں تو پھر بھی اس کا ضمنی مفہوم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے واسطے سے ہمیں قرآن مجید ملا۔ امام المفسرین جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اللہ کا فضل اور سر تا پا اس کی رحمت ہے۔ سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں مذکورہ اَلفاظ۔ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا۔ کے مفہوم کو جشنِ میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے اُجاگر کرتا ہے۔ جشنِ میلاد کو عید مسرت کی حیثیت سے منانے کو اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی و مسرت کے اظہار کا ذریعہ گردانا گیا ہے اور اس کا ذکر اس قرینے اور شدّ ومد سے کیا گیا ہے کہ کوئی صاحبِ فکر مسلمان اس بات سے انکار نہیں کرے گا۔

مذکورہ بالا عباراتِ تفاسیر نے فضل و رحمت کے معانی اس طرح کھول کر بیان کر دیے ہیں کہ اس کے اَسرار و رموز بالکل عیاں ہوگئے ہیں، اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر مسرتوں اور شادمانیوں کی صورت میں جشنِ عید منانا منشائے خداوندی ہے۔

علامہ طبرسی (م 548ھ) نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

و معنی الآیة قل لهؤلاء الفرحین بالدنیا المعتدین بها الجامعین لها إذا فرحتم بشیء فافرحوا بفضل اللہ علیکم و رحمته لکم بإنزال هذا القرآن و ارسال محمد إلیکم فإنکم تحصلون بهما نعیما دائما مقیما هو خیر لکم من هذه الدنیا الفانیة۔ ... عن قتادة و مجاهد و غیرهما قال ابو جعفر الباقر علیه السلام: (فَضْلُ اللّٰهِ) رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم.

’’اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو دنیا کی خوشیوں میں مگن اور اس کے ذریعے (دوسروں پر) ظلم و زیادتی کرنے والے اور ہر وقت اس کو جمع کرنے والے ہیں کہ اگر تم کوئی خوشی منانا ہی چاہتے ہو تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر جشنِ مسرت مناؤ جو نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں

تمہیں عطا ہوئے ہیں۔ پس بے شک تم ان دونوں (نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوشی منانے) کے بدلے میں ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت (جنت) حاصل کرو گے جو تمہارے لیے اِس فانی دنیا سے بہت بہتر ہے۔۔۔۔ حضرت قتادہ اور مجاہد کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی روایت ہے کہ امام ابو جعفر محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے فضل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔''

طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، 5 : 177، 178

تفاسیر میں بیان کیے گئے تمام معانی، ان کے رموز اور ضمنی تشریحات و تعبیرات سے یہی مفہوم اَخذ ہوتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت جو اُس کے فضل اور رحمت کی صورت میں نازل ہوئی وہ قرآن اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جشنِ مسرت و شادمانی منانے کے قابل صرف دو چیزیں ہیں: ایک قرآن کا نزول اور دوسرا ولادتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پر فرمانِ اِلٰہی۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُواْ۔ حجت ہے۔ اگر کوئی خوشی منانی ہے تو اس رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے دن سے زیادہ اور کوئی دن اس کا حق دار و سزاوار نہیں۔

## مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر

یہاں ضمناً دیوبندی مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی (1280۔1362ھ) کے نقطہ نظر سے بھی آگاہی حاصل کرلینا زیر نظر موضوع کی وضاحت کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ رحمت اور فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا موصوف نے بجا طور پر اپنی تقاریر سے مرتب شدہ کتاب ''میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بلااِختلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا کامل ترین فضل ہیں۔ اس لیے اس آیہ کریمہ سے بدلالۃ النص یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ یہاں رحمت اور فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی ولادت پر اللہ تعالیٰ خوشی منانے کا حکم دے رہے ہیں۔ پھر اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ جو نعمت تمام دنیوی اور دینی نعمتوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہے۔ (1)

(1) مولانا اشرف علی تھانوی متذکرہ بالا آیات قرآنی میں فضل اور رحمت کی اصل مراد قرآن کو قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں (فضل اور رحمت) سے کیا مراد ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آتے ہیں۔ کہیں دونوں سے ایک معنی مراد ہیں اور کہیں جدا جدا۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخَاسِرِیۡنَ○

”پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہ ہو جاتے“ ○

البقرہ، 2 : 64

”یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود مراد ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا○

’’اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے‘‘o

النساء، 4 : 83

’’اور یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہیں۔

’’بعض آیات میں فضل سے مراد ہے : رحمتِ دنیوی اور رحمت سے رحمتِ دینی مراد ہے۔ پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔

مولانا اشرف علی تھانوی مزید لکھتے ہیں :

''اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام لیے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم مبارک لیے جائیں۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور ان میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ حضور کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اَجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا حاصل یہ ہو گا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود پر خواہ وجودِ نوری ہو یا ولادتِ ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں۔ (دوسری عام نعمتوں کے علاوہ) افضل نعمت اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل ورحمت کی حضور کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔''

اشرف علی تہانوی، خطبات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 63 - 65

اگر کسی نے فضل اور رحمت الٰہی کو صورۃً اور تمثیلاً دیکھنا ہو تو وہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لے جن کو اللہ نے اپنا سراپائے فضل اور رحمت بنادیا ہے۔ اس لیے کہ رحمت اور فضل ایک ہی ذات، ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتکز ہوگئے ہیں جو بلاامتیازِ زمان و مکان سب کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فَلْيَفْرَحُوْا کا حکم سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورودِ مسعود پر جشنِ مسرت و شادمانی منانا چاہیے اور اس موقع پر شرعی حدود و قیود کی پاس داری کرتے ہوئے جس قدر بھی خوشی کی جائے جائز ہوگی۔

(3) فضل و رحمت کی آمد پر خوشی کیوں کر منائی جائے؟

سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت کے نزول پر خوشی منانے کا حکم کیوں فرمایا؟ وہ کیا سبب ہے جس کی بناء پر اللہ رب العزت نے اس فضل و رحمت کے میسر آنے پر خوشی و مسرت منانے کا حکم فرمایا ہے؟ اس کا جواب جاننے سے قبل یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ فضل اور رحمت کے الفاظ ایک خاص تناظر میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس پس منظر کو متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمانوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم پر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی صورت میں میرا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر لوگ ماسوائے قلیل تعداد کے گمراہ ہو جاتے اور شیطان کے پیروکار بن کر تباہ ہو جاتے۔ اگر رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم انسانیت کی طرف مبعوث نہ کیا جاتا تو لوگوں کو ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اُلوہی حق و صداقت اور ہدایت کی روشنی سے کون مستفیض کرتا؟ اگر ہادیء برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث نہ ہوتے تو لوگوں کو ظلم، بدامنی اور لاقانونیت کی چکی سے کون نکالتا اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت کون فراہم کرتا؟ وہ ذات گرامی جو اندھیروں میں بھٹکنے والی انسانیت کو ہدایت الٰہی کی روشنی میں لائی اس کے ظہور پر بنی نوع انسان کو خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اس دنیائے رنگ وبو میں تشریف آوری اللہ کے فضل اور رحمت کا نتیجہ ہے، جس پر خوشی و شادمانی منانا تقاضائے محبت و ایمان ہے۔

(4) آیت میں حصر کا فائدہ

آیت مذکورہ میں ”فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا“ کے معنوی رموز کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فخر المفسرین امام رازی (543۔606ھ) نے ان الفاظ کے حصر اور اختصاص و امتیاز کو یوں واضح کیا ہے:

قولہ : (فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا) یفید الحصر، یعنی یجب اِن لا یفرح الاِنسان إلا بذالک.

’’اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا۔ حصر کا فائدہ دے رہا ہے یعنی واجب ہے کہ اِنسان صرف اِسی پر خوشی منائے۔‘‘

رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، 17 : 117

امام رازی نے آیت مبارکہ میں معنوی حصر و اختصاص کو شرح و بسط سے بیان کرتے ہوئے فرح یعنی خوشی و مسرت کے اظہار پر روشنی ڈالی ہے۔ اس لفظ کے دامن میں وہ سب خوشیاں اور مسرتیں سمٹ آئی ہیں جو نہ صرف جائز ہیں بلکہ اَز رہِ حکم اس کے منانے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر اظہار مسرت کرو اور اس پر خوب خوشیاں مناؤ۔

قارئین کرام! یہ اَمر ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت نے ایسی خوشیاں منانے سے منع فرمایا ہے جن میں خود نمائی اور دکھاوا ہو۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ لوگ کسی

دنیاوی نعمت پر اس قدر خوشی کا اظہار کریں کہ وہ آپے سے باہر ہو جائیں اور شائستگی کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ O

”بے شک اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا“ o

القصص، 28، 76:

لیکن اس کے برعکس جب اپنے فضل اور رحمت کی بات کی تو اپنے اس حکم میں استثناء (exception) کا اعلان فرما دیا کہ اگر میرا فضل اور رحمت نصیب ہو جائے تو پھر میرا ہی حکم ہے: فَلْيَفْرَحُواْ یعنی کہ خوب خوشیاں منایا کرو۔ اور وَہُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ کے ذریعہ یہ بتلا دیا کہ جو لوگ جشنِ میلاد کے موقع پر لائٹنگ کے لیے قمقمے لگاتے ہیں، گل پاشیاں کرتے ہیں، قالین اور غالیچے بچھاتے ہیں، جلسے جلوس اور محافل و اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں، لنگر بانٹنے کے لیے کھانا پکاتے ہیں یعنی دھوم دھام سے اِظہار خوشی کے لیے جو کچھ انتظامات

کرتے ہیں وہ سب کچھ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار کے لیے کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ لہٰذا ان کے یہ اخراجات مال و دولت کے انبار لگانے اور انہیں جمع کرنے سے کہیں بہتر ہیں۔ چنانچہ جونہی ماہِ ربیع الاول کا آغاز ہوتا ہے پوری دنیا میں غلامانِ رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں دیوانہ وار مگن ہو جاتے ہیں، ہر طرف جشن کا سماں ہوتا ہے۔ کائنات کی ساری خوشیاں جملہ مسرتیں اور شادمانیاں اسی ایک خوشی پر ہی قربان ہو جائیں تو بھی اس یومِ سعید کے منانے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواز نصِ قرآن سے ثابت ہے اور خود اللہ رب العزت نے اس خوشی کے منانے کا نہ صرف اہتمام کیا بلکہ مندرجہ بالا ارشادِ قرآنی کی رو سے ہمیں بھی اس نعمتِ عظمیٰ پر خوشی منانے کا حکم دیا۔

"(5) فَبِذٰلِكَ" کے استعمال کی حکمت

اس ضمن میں اگرچہ ہم نے "ذٰلِكَ" کے استعمال کی حکمت کے حوالے سے اوپر ایک خاص علمی نکتہ بیان کیا ہے تاہم چند اور باتیں قابل ذکر ہیں۔ مثلاً:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا.

’’فرما دیجئے ! (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔‘‘

یونس، 10 : 58

اگر قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا کہا جاتا تو بھی اس آیت میں مضمون اور مدعائے بیان مکمل تھا، لیکن ’’فَبِذٰلِكَ‘‘ لا کر تکرار پیدا کیا گیا تاکہ کہیں باعثِ مسرت کسی اور چیز کو نہ ٹھہرا لیا جائے اور دھیان کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اُن کی ولادت کے سبب سے جو نعمتِ کبری تمہیں نصیب ہوئی ہے، خوشیاں منانے کا حکم دیتے ہوئے ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ میرا شکر صرف سجدے کرکے بجالاؤ، صرف روزوں کی صورت میں بجالاؤ، صدقات و خیرات کرکے میری نعمت کا شکر بجالاؤ۔ یہ سب طریقے بجا ہیں مگر یہ طریقے تو عام نعمتوں کے شکرانے کے لیے ہیں۔ اس پیکرِ رحمت کا تمہارے پاس آنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے توسط سے ہی تو ہم نے انسانیت کو ساری نعمتیں عطا کیں، لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کے ملنے کے موقع پر تم چراغاں بھی کرو، جشن بھی مناؤ، کھانے پکا کر غرباء و مساکین کو بھی کھلاؤ غرضیکہ جائز طریقے سے ہر وہ خوشی کرو جو دنیا میں کسی بھی مسرت کے موقع پر کر سکتے ہو۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اپنے

حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت کے عطا ہونے پر عید اور جشن کا ایسا سماں دیکھنا چاہتی ہے جو یہ ثابت کر دے کہ امت مسلمہ اپنے عظیم المرتبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اِنتہائی جوش و خروش اور اِہتمام کے ساتھ منا رہی ہے۔

(6) نعمت کے شکرانے کا اِنفرادی و اِجتماعی سطح پر حکم

مشاہدے میں آیا ہے کہ کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو یا قومی آزادی حاصل ہو اور فتح و نصرت کا دن آئے تو جشن کا سماں ہوتا ہے۔ ہم یہ سب خوشیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر مناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ جب اس نعمتِ عظمیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملنے کا دن آئے تو اتنی فرحت و مسرت کا اہتمام کیا جائے کہ دنیا کی ساری خوشیوں پر غالب آ جائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ خوشیاں و جشن منانے، چراغاں کرنے اور کھانے پکا کر تقسیم کرنے پر مال و دولت خرچ ہوتا ہے۔ معترضین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر ان کاموں پر مال خرچ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے بہتر تھا کہ یہ رقم کسی محتاج، غریب، نادار کو دے دی جاتی، کوئی مسجد بنا دی جاتی، کسی مدرسے میں جمع کرا دی جاتی، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اس طرح کے کئی شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مذکورہ کاموں پر خرچ کرنا اپنی جگہ بالکل درست، صحیح اور بجا ہے مگر باری تعالیٰ نے اس خیال کو بھی رد کر دیا کیوں کہ اس موقع پر اُمت کی اجتماعی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو

صدقات و خیرات سے منع تو نہیں کرتا، ہر کوئی غرباء و مساکین اور مستحقین کی خدمت اپنی استطاعت کے مطابق کرے مگر جب حبیب مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی منانے کا موقع آئے تو یہ بہانہ بنا کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ہم تو اپنا مال کسی اور نیک کام میں صرف کر دیں گے؛ بلکہ فرمایا: ''فَلْيَفْرَحُوا'' انہیں چاہئے کہ وہ میرے حبیب کی خاطر خوشی منائیں۔ اور ''هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ'' کہہ کر واضح کر دیا کہ اِس خوشی پر خرچ کرنا کسی بھی اور مقصد کے لیے جمع کرنے سے افضل ہے۔

(7) آیتِ مذکورہ میں کثیر تاکیدات کا اِستعمال

قرآن حکیم میں کوئی حکم بیان کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی کم اختیار کیا گیا ہے جو جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان پر مشتمل اس آیت میں اپنایا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس آیت مبارکہ میں ہمیں واضح طور پر دس (10) تاکیدیں نظر آتی ہیں:

1۔ قُلْ: قُلْ کہہ کر بات شروع کرنا تاکید کی ایک قسم ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔

2۔بِفَضْلِ اللّٰہِ : ”اللہ کے فضل کی وجہ سے۔“ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے کیا؟ یہ استفہام پیدا کرنا بھی طریقۂ تاکید ہے کہ گویا ابھی اصل بات کو چھپایا جارہا ہے۔

3۔وَبِرَحْمَتِہٖ : ”اللہ کی رحمت کی وجہ سے۔“ یہاں پھر استفہام پیدا کر دیا کہ رحمت کی وجہ سے کیا؟ یہ تیسری تاکید ہے۔

4۔فضل اور رحمت کا اِجتماع : فضل کے بعد رحمت کا ذکر کرنا بھی تاکید ہے۔

5۔ فاکی حکمت : ذٰلِكَ پر فا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فا عربی قواعد میں تاکید کے لیے آتی ہے۔

6۔ بِذٰلِكَ : فضل اور رحمت کے ذکر کے بعد اِشارۂ بعید لانا بھی تاکید ہے۔

7۔ فَلْيَفْرَحُوا : لِيَفْرَحُوا پر پھر فا کا اضافہ کیا گیا جس سے تاکید پیدا ہو رہی ہے۔

8۔ فَلْيَفْرَحُوا: يَفْرَحُوا پر عزوجل بھی تاکید کے لیے ہے۔

9۔ ہُوَ خَيْرٌ: هُوَ تاکید کے لیے ہے۔

10۔ مِّمَّا يَجْمَعُونَ: یہ بھی تاکیدی کلام ہے۔

آیتِ مذکورہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے 10 تاکیدوں کے ساتھ جو حکم دیا وہ یہ ہے:
فَلْيَفْرَحُوا (خوشیاں مناؤ، جشن مناؤ) کیوں کہ فَبِذٰلِكَ محبوب جو آ گیا ہے۔ اگر انسانی معاملہ ہو تو اتنی تاکیدوں سے مضمون بوجھل ہونے لگتا ہے مگر یہاں چونکہ محبوب کی بات ہونے والی ہے اور کلام بھی خدا کا ہے اس لیے اس میں مزید حسن اور نکھار پیدا ہو گیا ہے۔
دس (10) تاکیدوں کے بعد مضمون یہاں آ کر ختم کرنا۔ کہ یہ خوشیاں منانا جمع کرنے سے بہتر ہے۔ خوشی منانے کی اہمیت کو بدرجہ اتم واضح کر رہا ہے۔

تاکیدوں کے تکرار سے کلام میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے؟ اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ جس طرح کسی بچے کو اس کا باپ کوئی کام کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہے:
"فلاں کام کیا کرو۔" اب سمجھ دار اولاد کے لیے باپ کا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے لیکن باپ جب

اس حکم کے ساتھ یہ بھی کہے: ”بیٹا! میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ فلاں کام کرو۔“ اب بیٹے کے کان کھڑے ہو جائیں گے کیوں کہ اب تاکید بڑھ گئی۔ وہ جان جائے گا کہ والد مجھے جس کام کے لیے حکم دے رہے ہیں وہ کوئی خاص کام ہوگا، لیکن اگر اس بچے کا والد اس سے بھی زیادہ سخت حکم دیتے ہوئے کہے: ”بیٹا! سن لو میں تمہیں بطور خاص کہہ رہا ہوں کہ فلاں کام ضرور بالضرور کرو۔“ اب باپ کے حکم میں چار تاکیدیں آ گئیں اور اگر ان تاکیدوں کے ساتھ باپ اسے یہ بھی کہہ دے کہ بیٹا! کچھ اور کرو نہ کرو ایسا ضرور کرو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا، تو اب بھلا حکم عدولی کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

ترکِ فعل اور مخالفت تو پہلے بھی خلافِ ادب تھی مگر اتنی تاکیدات کے ساتھ حکم دینے کا تو یہی مطلب بنتا ہے کہ ”بیٹا! میں فقط تم سے اس حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔“ اب کوئی انتہائی بدبخت بیٹا ہی ہوگا جو اس حکم کی بجا آوری سے پہلو تہی کرے گا۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے تھی، وگرنہ باپ کا حکم کہاں اور رب ذوالجلال کا حکم کہاں! چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک کے مصداق وہ رب تو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حقیقت بیان سے ہی کہلوا رہا ہے: محبوب! آپ میری طرف سے لوگوں کو حکم فرما دیں کہ ان پر جو اللہ کا فضل اور رحمت اپنے درجہ کمال کو پہنچ کر نبی آخر الزمان کے وجود اقدس کی صورت میں انہیں نصیب ہوئی ہے اس کے شکرانے پر خوب خوشیاں مناؤ، اور یہ بات میں تاکیدات کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے صرف ایک قانون برقرار رکھا

: عَبْدُہ وَرَسُوْلُہ، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے ساتھ شرعی حدود کے اندر رہ کر جتنی خوشیاں منائی جائیں جائز ہیں، لیکن ان کی کوئی حد نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خوشیاں منانے کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو کوئی انسان کیسے کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما رہا ہے کہ اگر میری منشاء و حکم کے مطابق خوشی مناؤ گے تو اس پر کتنا اَجر و ثواب ملے گا، اس کا اندازہ اس بات سے کر لو کہ تم جو کچھ بھی توشۂ آخرت کے طور پر تیار کر رہے ہو اس سے تمہارا یہ خوشی منانا بہر حال میرے نزدیک زیادہ باعثِ اَجر و ثواب ہو گا۔ فرمایا:

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ O

”یہ (خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں“ o

یونس، 10 : 58

یہ بات واضح فرمادی کہ اگر تم نے میرے اس فضل اور رحمت کی آمد پر خوشی نہ کی تو بے شک تم عبادت وریاضت کے ڈھیر لگا دو تو مجھے اُن سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ مجھے تو اپنے محبوب کی آمد پر تمہارا خوش ہونا ان عبادتوں سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ بے شک ان عبادات کا حکم بھی میں نے ہی دیا ہے مگر اس نعمت کے شکرانے پر تم عبادات کے علاوہ خوشی بھی مناؤ۔

(8) ہُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْن کی تفسیر

آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا جمع کرکے رکھنے سے بہتر ہے۔ سوال یہ کہ کیا چیز جمع ہوسکتی ہے؟ دو چیزیں ہی جمع کی جاسکتی ہیں:

1۔ دنیا کے حوالے سے جمع کرنا چاہیں تو مال واَسباب اور دولت وغیرہ جمع کی جاسکتی ہے۔ اور

2۔ اگر آخرت کے حوالے سے جمع کرنا ہو تو اَعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات و خیرات وغیرہ جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم نے یہاں نہ مال و دولت کی تخصیص

کی ہے اور نہ ہی اَعمالِ صالحہ اور تقویٰ وغیرہ کی نشان دہی کی ہے۔ بلکہ آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا کلمہ مَا عام ہے جو اپنے اندر عمومیت کا مفہوم لیے ہوئے ہے اور دنیا و آخرت دونوں کو حاوی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں نکات ذہن نشین رکھ کر دیکھا جائے تو اس آیت سے مراد ہوگا: لوگو! تم اگر دنیا کے مال و دولت جمع کرتے ہو، جائیدادیں، کارخانے اور فیکٹریاں بناتے ہو یا سونے چاندی کے ڈھیروں کا ذخیرہ کرتے ہو غرضیکہ انواع و اقسام کی دولت خواہ نقد صورت میں ہو یا کسی جنس کی صورت میں، میرے حبیب کی آمد اور ولادت پر خوشی منانا تمہارے اس قدر مال و دولت جمع کرنے سے بہ ہر حال بہتر ہے۔ اور اگر آخرت کے حوالے سے سجود، رکوع، قیام و قعود کا ذخیرہ کرلو، نفلی عبادات جمع کرلو، فرائض کی بجا آوری سے اجر و ثواب کا ذخیرہ کرلو، غرضیکہ نیکی کے تصور سے جو چاہو کرتے پھرو لیکن اس نعمت پر شکرانے کے لیے جشن منانا اور اس پر اپنا مال و دولت خرچ کرنا، یہ تمہارے اَعمالِ صالحہ کے ذخیرے سے زیادہ گراں اور زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ اگر تم نے اس نعمتِ عظمیٰ کی آمد پر خوشی نہ کی تو تم نے اَعمالِ صالحہ کی بھی قدر نہ کی۔ چونکہ سب اعمال تو تمہیں اسی کے سبب سے نصیب ہوئے؛ قرآن اسی کے سبب سے ملا، نماز، روزہ، حج وغیرہ اسی کے توسط سے عطا کیے گئے، ایمان و اسلام بھی اسی کے ذریعے سے ملے، دنیا و آخرت کی ہر نیکی اور عزت و مرتبہ بھی اسی کے سبب سے ملا، بلکہ نیکی، نیکی اِنتخابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی اور برائی، برائی اِجتنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے قرار پائی۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ عطا کرنے والے رب العزت کی معرفت تمہیں اسی کے سبب سے ملی۔ پس اس ہستی کے عطا کیے جانے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرکے باری تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بجالانے کا یہ عمل سب سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔

6۔ جشنِ میلاد۔ شکرانۂ نعمتِ عظمیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان پر بے حد و حساب احسانات و انعامات فرمائے ہیں۔ اس نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ کھانے پینے اور دیگر سامانِ آرام و آسائش اور زینت و آرائش سے نوازا۔ ہمارے لیے دن رات کا نظام مرتب کیا۔ سمندروں، پہاڑوں اور فضاؤں کو ہمارے لیے مسخر فرمایا مگر اس نے کبھی اپنی کسی نعمت کا احسان نہیں جتلایا۔ اس ذات رؤف ورحیم نے ہمیں اپنی پوری کائنات میں شرف و بزرگی کا تاج پہنایا اور اَحْسَنِ تَقْوِیمٍ کے سانچے میں ڈھال کر رشکِ ملائکہ بنایا۔ ہمیں ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی اور بچوں جیسے پیارے رشتے عطا کیے۔ غرضیکہ اَنفس و آفاق کی ہزاروں ایسی نعمتیں جو ہمارے حیطۂ ادراک سے بھی باہر ہیں اس نے ہمیں عطا فرمائیں، لیکن بطور خاص کسی نعمت کا احسان نہیں جتلایا۔ اس لیے کہ وہ تو اتنا سخی ہے کہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے وہ سب کو اپنے کرم سے نوازتا ہے اور کسی پر اپنا احسان بھی نہیں جتلاتا۔ لیکن ایک نعمتِ عظمیٰ ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے حریمِ کبریائی سے بنی نوع

انسان کی طرف بھیجا اور کائنات کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا تو نہ صرف اس کا ذکر کیا بلکہ تمام نعمتوں میں سے فقط اس کا احسان جتلایا اور اس کا اظہار عام الفاظ میں نہیں بلکہ دو تاکیدوں۔ لَ اور قَدْ۔ کے ساتھ کیا۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ.

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا اِحسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا۔“

آل عمران، 3 : 164

آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے: اے لوگو! تم پر میرا یہ بہت بڑا احسان اور کرم ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو تمہاری جانوں میں سے تمہارے لیے پیدا کیا۔ تمہاری تقدیریں بدل دیں، بگڑے ہوئے حالات سنوار دیے اور تمہیں ذلت و گمراہی کے گڑھے سے اٹھا کر عزو شرف سے ہم کنار کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میرے کارخانۂ قدرت میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت تھی ہی نہیں۔ جب میں نے وہی محبوب

تمہیں دے دیا جس کی خاطر میں کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو اب ضروری تھا کہ میں رب العالمین ہوتے ہوئے بھی اس عظیم نعمت کا احسان جتلاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتِ مصطفوی اسے عام نعمت سمجھتے ہوئے اس کی قدر و منزلت سے بے نیازی کا مظاہرہ کردے اور میرے اس احسانِ عظیم کی ناشکری کرنے لگے۔ اس احسان جتلانے میں بھی اُمت مسلمہ کی بھلائی کو پیش نظر رکھا گیا اور قرآن حکیم نے اس واضح حکم کے ذریعے ہر فرزندِ توحید کو آگاہ کر دیا کہ وہ کبھی اللہ کے اس عظیم احسان کو فراموش نہ کرے بلکہ اس نعمتِ عظمیٰ پر شکرانہ ادا کرتے ہوئے جشنِ مسرت منائے۔

7۔ نعمتوں کا شکر بجالانا کیوں ضروری ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل و کرم پر شکر بجالانا تقاضائے بندگی ہے مگر قرآن مجید نے ایک مقام پر اس کی ایک اور حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ O

”اگر تم شکرادا کروگے تومیں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گااور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے“o

ابراہیم، 14 : 7

نعمتوں پر شکر بجالانا اس آیت کے تحت مزید نعمتوں کے حصول کا پیش خیمہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں پر مزید نعمتیں نچھاور کرتا ہے لیکن کفرانِ نعمت اتنا ناپسندیدہ عمل ہے کہ ایسا کرنے والوں کو عذابِ الٰہی کی وعید سنائی گئی ہے۔ اِس لیے دیگر اِنعاماتِ الٰہی کا مستحق قرار پانے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی صورت میں میسر آنے والی نعمتِ عظمیٰ پر شکر بجالانا ضروری ہے۔

8۔ شکرانۂ نعمت کے معروف طریقے

اِس باب کے آخر میں ہم بالاختصار نعمتوں پر شکر بجالانے کی مختلف صورتیں بیان کریں گے جن کی سند بھی قرآنِ حکیم نے ہی فراہم کی ہے۔ نعمتِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکرانہ ادا کرتے وقت بھی یہی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں :

(1)ذکرِ نعمت

قرآن حکیم نے نعمتوں کا شکر بجالانے کی ایک صورت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت کو یاد رکھا جائے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بنی اسرائیل پر ہونے والی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ہے:

یَا بَنِی إِسرَآئِیلَ اذکُرُوا نِعمَتِیَ الَّتِی اَنعَمتُ عَلَیکُم.

”اے اولادِ یعقوب! میرے وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے۔“

البقرہ، 2 : 47

یہی مضمون سورۃ آل عمران کی اس آیت میں بھی ضمناً آیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمت کو یاد کریں:

وَاذکُرُوا نِعمَتَ اللّٰہِ عَلَیکُم إِذ کُنتُم اَعدَاءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِکُم فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہِ إِخوَانًا.

”اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔“

آل عمران، 3 : 103

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و بعثت کو یاد کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت و سیرت، فضائل و کمالات اور خصائص و معجزات کا ذکر کرنا بارگاہِ خداوندی میں اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کی ہی ایک صورت ہے۔ اس نعمت جلیلہ کا ذکر کر کے ہم خود کو بلند کرتے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تو وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے فرمودۂ خداوندی کے مطابق ہر روز افزوں ہی رہے گا۔ اور ہر آنے والی ساعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی رفعتوں کو بلند سے بلند تر ہوتا دیکھے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى O

”اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہے“o

الضحٰی، 93 : 4

وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَO

”اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا“o

الانشراح، 94 : 4

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اب کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے گا تو اس سے اس کی اپنی ذات کو فائدہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد مبارک

کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور شکرانہ خوشی منائے گا تو یہ بھی اس کے اپنے مفاد میں ہے، ایسا کرنے والا کسی پر احسان نہیں کر رہا بلکہ اپنا ہی توشۂ آخرت جمع کر رہا ہے۔ اِمام اَحمد رضا خان (1272۔1340ھ) نے کیا خوب کہا ہے:

وَرَفَعۡنَالَكَ ذِكۡرَكَ کا ھے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

احمد رضا خان، حدائقِ بخشش، 1 : 18

(2) عبادت و بندگی

اللہ کی نعمتوں کا شکر اُس کی عبادت و بندگی کے ذریعے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی فرض عبادات کے علاوہ دیگر نفلی عبادات سب اللہ کی نعمتوں پر شکرانے کی بہترین صورتیں ہیں۔

علاوہ ازیں صدقات و خیرات دے کر غریب، بے سہارا اور یتیم لوگوں کی پرورش و نگہداشت کرکے بھی اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمت پر شکر بجالانا اَمرِ مستحب ہے۔

(3) تحدیثِ نعمت

نعمت کا شکر بجالانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت پر اُس کا خوب اِظہار کرے۔ خوشی منانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ بھی کرے۔ اِس کا ذکر قرآن حکیم نے یوں کیا ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡo

”اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں“o

الضحیٰ، 93 : 11

گزشتہ صفحات میں بیان کردہ آیاتِ قرآنی میں ذکرِ نعمت کا حکم ہے جس سے مراد ہے کہ نعمت کو دل سے یاد رکھا جائے اور زبان سے اس کا چرچا کیا جائے لیکن وہ ذکر لوگوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو۔ مذکورہ بالا آیت میں تحدیثِ نعمت یعنی کھلے بندوں اس نعمت کا تذکرہ کرنے کا حکم دیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوقِ خدا کے سامنے نعمت کا خوب چرچا کیا جائے۔ چنانچہ ذکر اور تحدیثِ نعمت میں بنیادی فرق یہ ہوا کہ ذکر اللہ کے لیے ہوتا ہے جب کہ تحدیث کا تعلق زیادہ تر مخلوق کے ساتھ ہے یعنی لوگوں میں چرچا کرنا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ O

”سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور (میری نعمتوں کا) اِنکار نہ کیا کرو“ O

البقرہ، 2 : 152

یہاں ذکر سے مراد اللہ کو یاد کرنا ہے، لیکن تحدیثِ نعمت سے مراد ہے کہ خالی ذکر ہی پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ اس نعمت کا ایسا اظہار کیا جائے کہ اسے خلقِ خدا بھی سنے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے درمیان کیا جائے جو کہ منشائے الٰہی ہے۔

تحدیثِ نعمت کے بیان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ نعمتِ خداوندی کے نزول کا علم زیادہ سے زیادہ خلقِ خدا تک پہنچے اور لوگ کثرت کے ساتھ اس ادائے شکر میں شریک ہوں۔ لہٰذا اب ذکر اور تحدیث میں دوسرا بڑا اور واضح فرق یہ ہوا کہ ذکر تنہا شکر بجالا کر بھی ہو سکتا ہے مگر تحدیثِ نعمت کا تقاضا ہے کہ اسے بڑے بڑے جلسوں اور اجتماعات میں خلقِ خدا تک پہنچایا جائے۔ اس کے شکرانے کے لیے اس کی نعمت کے شایانِ شان عظیم محافل و مجالس اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے اور ان محافل میں اس نعمتِ کبریٰ کا تذکرہ کیا جائے۔

''تحدیثِ نعمت'' کیسے کی جائے؟

قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ جب اُمتِ مسلمہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت جیسی عظیم ترین نعمت کے صلہ میں تحدیثِ نعمت کے فریضہ سے عہدہ برآ ہوگی تو تذکارِ نعمت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پڑھی جائے گی، کبھی صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا جائے گا، کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و شمائل کا ذکر ہوگا، کبھی آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی بات ہوگی اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ سیرت کا ذکر چھیڑا جائے گا۔ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن صورت اور دل رُبا اداؤں کا تذکرہ کرے گا اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری پیاری اور کریمانہ عادات مبارکہ بیان کرے گا۔ یہ سب چیزیں وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تفسیر میں ہیں اور اس نعمت کبریٰ کی یاد کی مختلف صورتیں ہیں جو ذکرِ نعمت کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے تو تمام محافلِ میلاد کی عام صورت حال یہی ہوتی ہے اور ان ہی چیزوں کے بیان کو ان محافل میں خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میلاد میں ان کا ذکر کس طرح کیا جائے، اس کی حدود و قیود کیا ہونی چاہئیں اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں ان کی مدح سرائی کس طرح کریں؟ تو ان تمام التباسات کے جواب میں نعت گویانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِمام، قافلہ عشق کے سرخیل امام شرف الدین بوصیری (608۔696ھ) نے چند اشعار میں بڑے صاف اور واضح انداز میں اس سلسلے میں پیش آمدہ ذہنی اشکالات کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

.1 دع ماادعَتہ النصاری فی نبیّہم

واحکم بماشئت مدحًا فیہ واحتکم

.2 فانسب إلی ذاتہ ماشئت من شرف

وانسب إلی قدرہ ماشئت من عِظم

.3 فإِن فضل رسول اللہ لیس لہ

حدٌّ فیعرب عنہ ناطقٌ بفم

امام بوصیری رحمۃاللہ علیہ یہاں ایک احتیاط کا ذکر کر رہے ہیں کہ

1۔ ”نصاریٰ (عیسائیوں) نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ دعویٰ الوہیت کیا ہے (اور انہیں خدا کا بیٹا وغیرہ بنا کر غلو اور کفر کا ارتکاب کیا ہے) وہ چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں ایسے خطرناک غلو اور زیادتی سے بچتے

ہوئے جو کچھ تمہارا جی چاہے کہو اور پورے یقین اور اذعان کے ساتھ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوب مدح سرائی کیا کرو۔

2۔ ’’پس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور بڑائی کا اظہار کرو اور جن جن عظمتوں کو چاہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بلند مرتبہ سے منسوب کرو۔

3۔ ’’کیوں کہ بے شک سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و شرف اور بزرگیء مرتبہ کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں کہ کوئی مدح کرنے والا اسے بیان کر سکے۔‘‘

بنابریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں اُن کی تعریف و نعت ہر طرح سے جائز و مستحسن ہے۔ تاہم مقامِ اُلوہیت اور مقامِ نبوت میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا بہر حال فرض اور شرطِ ایمان ہے۔

(4) جشنِ عید

ذکرِ نعمت اور تحدیثِ نعمت کے علاوہ اللہ کی نعمتوں اور اس کی عنایات کریمانہ پر شکر کے اظہار کا ایک طریقہ اور صورت یہ بھی ہے کہ اس خوشی و مسرت کا اِظہار جشن اور عید کے طور پر کیا جائے۔ پہلی امتوں کا بھی ادائے شکر کے حوالے سے یہی وطیرہ تھا، جس کا ذکر گزشتہ اَوراق میں ہو چکا ہے۔ اور یہ سنتِ انبیاء ہے کہ جس دن اللہ کی کوئی خاص نعمت میسر آئے اس دن کو بطور عید منایا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوتے ہیں:

رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا.

”اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہو جائے، ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی)۔“

المائدہ، 5 : 114

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں مائدہ جیسی عارضی نعمت کے حصول پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عید منانے کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے پیش نظر عیسائی لوگ آج تک اتوار کے دن اس نعمت کے حصول پر بطور شکرانہ عید مناتے ہیں۔

نزولِ مائدہ کی نعمت کو ہمارے آقا و مولا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ کہاں وہ ایک عارضی خوانِ نعمت اور کہاں وہ دائمی اور ابدالاباد بلکہ دونوں جہانوں میں جاری رہنے والی نعمت جو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں نوعِ انسانی کو نصیب ہوئی! ان دونوں کا آپس میں تقابل و موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اس ابدی و دائمی نعمت پر کماحقہ اظہار تشکر کر رہے ہیں یا نہیں۔

یہاں نزولِ مائدہ اور ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تقابل قطعاً مقصود نہیں، سر دست ایک تاریخی حقیقت پر مبنی اہم اور توجہ طلب پہلو کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ عیسائی اُس وقت سے لے کر آج تک اتوار کے روز یہ خوشی مناتے چلے آئے ہیں کیوں کہ اتوار کے دن ہی ان پر مائدہ کی نعمت اتری تھی۔ سابقہ امتیں تو مائدہ جیسی نعمت کے شکرانے پر عیدیں مناتی رہی ہیں جس کا ذکر قران نے بھی محفوظ رکھا ہے کیوں کہ یہ بھی رضائے الٰہی کے حصول کی ایک صورت ہے اور سنت انبیاء ہے۔ تو جب عمومی

نعمتوں کے حصول اور ان کے نزول پر عید منانا انبیاء علیہم السلام کی سنت اور اللہ کے حکم کی پیروی قرار پائی تو پھر میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر۔ کہ جس کے توسط سے کائنات ہست و بود کو ساری نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ یہ امت عید اور جشن کیوں نہ منائے۔

گزشتہ صفحات میں دی گئی تفصیلات سے یہ اَمر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ اِس پر کسی قسم کا اِعتراض واِبہام پیدا کرنا قرآنی تعلیمات سے عدم آگہی کے مترادف ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پر خوشی منانے کے جائز اور مستحسن اَمر کو باعثِ نزاع بنانے کی بجائے اِس خوشی میں دل و جان سے شریک ہو کر اُلوہی نعمتوں اور نبوی فیوضات سے سیراب ہوا جائے۔